مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی وفات پر پاکستانی اخبارات اور میڈیا کی شرمناک غفلت۔ اور ادارہ کیساتھ تعزیت کنندگان کیلئے اظہار تشکر

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی جدائی پر آسماں بھی رو رہا ہے اور زمین بھی دریائے غم بہا رہی ہے۔ عالم عرب بھی ماتم کناں ہے اور اہل عجم بھی سراپا سوز الم میں ڈوبے ہوئے ہیں علمی حلقوں پر اب تک سوگواری کی فضا طاری ہے اور ادبی مجلسوں پر بھی گردِ غم چھائی ہوئی ہے۔ دینی مدارس سراپا حزن و درد اور خانقاہیں سوگوار و خاموش ہیں۔ دینی صحافت کا قافلہ بھی اپنے امیرِ کارواں کی وفات پر صحرائے غم کی وادی تیھہ میں سرگرداں نظر آرہا ہے۔

اُف یہ ظلمتِ شب کی سیاہی اور نجمِ سحر کی روپوشی۔ امت مسلمہ کی ڈوبتی کشتی اور آگے سے ناخدا کی جدائی۔ مریضانِ ملک و ملت کی مجروح حالت اور مسیحا کی موت۔ قیامت نما حادثے کی شدت ہر کسی نے محسوس کی لیکن افسوس صد افسوس پاکستانی پریس اور میڈیا پر جس نے اس حادثے پر بہت کم لکھا اور اسکا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ معمولی استثنا کے ساتھ ملک کے تمام بڑے اخبارات و جرائد نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی وفات پر کوئی خاص کوریج نہیں دی۔ حضرت مولانا علی میاںؒ ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ پاکستان اور ساری امت مسلمہ کے سب سے قیمتی سرمایہ تھے۔ ہم پاکستانی حضرت مولانا علی میاںؒ کی مبارک روح سے اس غفلت اور تجاہل پر معذرت خواہ ہیں۔ یقیناً ہمارا معاشرہ اور پاکستانی پریس انحطاط کی ان پستیوں تک چلا گیا ہے جہاں کنجروں' طوائفوں' گویوں' اور فنکاروں کے ماتھے کا معمولی بل بھی ان کیلئے سوہانِ روح ہے۔ لیکن علم و فضل کا نقصان تو کجا اس کی موت پر بھی انہیں نہ افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تعجب! اگر کسی ہندوستانی یا مغربی فاحشہ ایکٹریس کا پرس بھی گم ہو تو ہمارا قومی پریس آسمان سر پر اٹھالیتا ہے۔ اور اگر کسی کنجر کے سر میں معمولی درد بھی اٹھتا ہے۔ تو انکے دلوں کے پرزے اڑنے لگتے ہیں۔ بھارتی ہیروئینز کے جنسی سکینڈلز ہمارے ملک کے بڑے بڑے اخبارات کی نہ صرف غذا بلکہ روح ہوتے ہیں۔ ہم اس عاشرے اور ایسے پریس سے کس قسم کے انقلاب کی توقع رکھ سکتے ہیں؟

حضرت مولانا علی میاںؒ کی دفات کے سلسلے میں راقم اور ادارے کو درجنوں تعزیت کنندگان کے خطوط، ٹیلیفونز اور تعزیتی پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ جس سے ہمارے درد و غم میں کافی کمی محسوس ہوئی۔ حضرتؒ کی اچانک وفات نے داداجان حضرت مولانا عبدالحقؒ کا پرانا غم پھر سے تازہ کردیا تھا۔ کرمفرماؤں کی محبت اور تعزیت سے بڑی ڈھارس بندھ گئی۔ راقم ان تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہے جنہوں نے ہمیں تعزیت کا مستحق سمجھا۔ اور اسی طرح ان تمام علمی حلقوں کا شکر گزار ہے جنہوں نے ماہنامہ الحق کے حضرت مولانا علی میاںؒ نمبر کی پذیرائی کی۔ (راقم نے انتہائی عجلت میں اسکو تیار کیا اور تعزیتی شذرہ بھی ائیرپورٹ جاتے ہوئے افراتفری میں لکھا۔ گوکہ یہ سب کچھ حضرتؒ کے شایان شان نہیں تھا۔ لیکن ان شاء اللہ ماہنامہ الحق برابر حضرت مولانا علی میاںؒ کی خدمات اور عالمگیر کارناموں کیلئے اپنے صفحات پیش کرتا رہے گا۔ موجودہ شمارہ بھی گزشتہ نمبر کا ایک تسلسل ہی ہے۔ میری اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی تحریرات سے ہمیں سرفراز فرمائیں۔ تاکہ یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہے۔) یقیناً حضرتؒ کی دفات سے ہر شخص یتیم ہوگیا ہے۔ خاکسار کے خیال میں امت مسلمہ کا ہر ایک فرد ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کا مستحق ہے کیونکہ قافلہ علم و فضل اور کاروانِ دعوت عزیمت کا آخری ہمرکاب بھی ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روٹھ گیا۔ امت مرحومہ کا آخری حدی خواں، رہبر و راہنما اور چراغ آخرِ شب بھی بجھ گیا۔ عرب کے صحرا تو صدیوں سے خشک ہو چلے تھے لیکن ہندوستان کے تین سو سالہ مقفل علمی میخانہ کی رونقیں بھی جاتی رہیں جو حضرت مولانا علی میاںؒ جیسے اکابرین امت کے دم خم سے قائم ہو چلی تھیں۔ افسوس کہ اہل اسلام کا یہ میخانہء فیض بھی بند ہوگیا۔ اب تو سورج کا چراغ بھی لے کر نکلئے تو پورے عالم اسلام میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے قد کاٹھ کی شخصیت تو کجا عام علم و فضل والے بھی کم دیکھنے کو ملیں گے۔ ہر دور میں ماتم کرنے والوں نے علمی شخصیات کی جدائی پر رونا رویا ہے۔ اور قحط الرجال کا شکوہ کیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کیا امت مسلمہ پر پندرہ سو برس میں ایسا وقت آیا تھا؟ نہیں! ہرگز نہیں!! ہر زمانے میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کونے میں علم و فضل کے آسماں موجود رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آستینوں میں ید بیضا لئے پھرتے تھے۔

لیکن اب تو کچھ بھی نہیں بچا۔ یہ تحریر مایوسی یا قنوطیت کی غماز نہیں بلکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ ہشت پہلو شخصیت اور معتدل مزاج واعظ 'دانا ناصح' عظیم مفکر 'اور مسیحائے ملت امت کی صفوں کو خالی کر گیا۔ یقیناً اب بھی معاشرے میں لاکھوں نیک افراد اور ہزاروں علماء فضلاء الحمد للہ موجود ہیں لیکن کہیں تعصب کی پرچھائیاں ہیں اور کہیں مسلک کی مجبوریاں۔ کسی کے ہاں اعتدال نہیں پایا جاتا تو کسی کے ہاں حد سے زیادہ تجاوز اور غلو۔ بہر حال یہ حضرات اور ادارے بھی ملک وملت کیلئے نہروں کا کام دے رہے ہیں لیکن وہ ناپیدا کنار سمندر تو خشک ہو چلا' جس سے ہر قسم کے تشنہ کام سیراب ہوا کرتے تھے۔

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے؟
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے
رو رہی آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں!
رقص میں لیلا رہی لیلا کے دیوانے رہے

اور سے

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدار عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا
اب کوئی سودائی سوزِ تمام آیا تو کیا